Advertisement at Urdu Palace

Are you looking for an affordable website to advertise your business?
Urdu Palace offers lowest rates for all advertisers.
For Advertisement of your brand or business on our website call us or contact through

Whatsapp on following numbers:+92-348-8709449,+92-303-5110135

عاشق جن

سلیم اختر - راولپنڈی

وفا شعار اور شوہر پرستی کی اپنی مثال آپ دوشیزہ جو کہ ایک ایک پل شوہر کے گن گاتی ہوئی وقت بیتاتی تھی لیکن ایک دن جب صبح کے وقت اس کی آنکھ کھلی تو حیران کن منظر سامنے آیا تھا

جسم و جاں پر ہیبت طاری کرتی ایک خوفناک جن کی دل دہلاتی تحیر انگیز حقیقت

اس دلچسپ مافوق الفطرت کہانی کو ایک برٹش رائٹر مسٹر فائیز نے اپنی یادداشتوں پر مشتمل کتاب (BLACK DAYS) ''کالی یادوں'' میں کیا ہے۔ یہ کتاب 1922ء میں برمنگھم میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں فائیز یوں لکھتا ہے۔

یہ 1910ء کی بات ہے جب میں برصغیر کے شہر مدراس کے علاقہ برٹش ٹاؤن کے ایک مکان میں رہائش کے لیے آیا تھا۔ رائٹر نے اپنی آمد کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ اس کی ٹرانسفر خانیوال شہر سے مدراس محکمہ تعلیم والوں نے اس لیے کردی تھی کہ میری جگہ خانیوال شہر میں ایک اور سینئر چیف سپروئیر آف سکولز مسٹر لائپ آ گیا تھا۔ اس نے اپنا اثر ورسوخ چلا کر مجھے خانیوال سے اکھڑوا دیا تھا۔ میری مدراس ٹرانسفر ایک سرکاری حکم کے تحت ہوئی تھی۔ اس لیے میں نے اس کی تعمیل کی تھی۔ جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا

تھا کہ مدراس شہر کے علاقہ برٹش ٹاؤن کے جس مکان میں ٹھہرا ہوا تھا اس کی لوکیشن یہ تھی کہ یہ پانچ کمروں پر مشتمل تھا جبکہ اس کے اوپر والی منزل میں دو کمرے تھے۔

میں کنوارہ، اکیلا اور تنہائی پسند تھا۔ لہٰذا میں نے اپنی ضرورت کے تحت اس بڑے مکان میں صرف ایک چھوٹے سے کمرے کو اپنا مسکن بنالیا تھا۔ اس کمرے میں اسٹڈی والی ٹیبل اور میرے سونے کا پلنگ موجود تھا۔ ساتھ ہی اٹیچ باتھ بنا ہوا تھا۔ میرا بنگالی خدمت گار جس کا نام کاسو بابا تھا۔ اسے میں نے صرف اپنی چاکری کے لیے رکھا ہوا تھا۔ میرے کبھی کبھار مہمان دوست وغیرہ آتے تھے۔ وہی ان کو چائے وغیرہ بنا کر دیتا تھا۔

میں دراصل دلی طور پر اپنے گھر آئے مہمانوں کو زیادہ پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں طبعتاً کیونکہ پڑھاکو، تنہائی پسند تھا۔ جو مہمان بعض دفعہ لیچڑ ہو کر مجھے اپنی الٹی سیدھی بے مقصد باتوں میں لگا کر میرا قیمتی وقت ضائع کیا کرتا تھا۔ میں نے کاسو بابا کو یہ بات سمجھائی ہوئی تھی کہ جب میں نے کسی لیچڑ مہمان سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوتا تو میں اسے اشارۃً کہتا کہ:

''کاسو بابا ایک کڑک چائے کا کپ اور بناؤ''۔

''سر! آپ کا فلاں آفیسر کا فون آیا تھا۔ وہ آپ کو بلا رہے ہیں''۔ اور میں مصنوعی طور پر اس محفل سے اٹھ جاتا تھا۔

جون 1910ء کو برصغیر کے بڑے بڑے شہروں میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے تھے۔ حکومت نے ہم برٹش لوگوں کو سختی سے تاکید کی تھی کہ ہم لوگ اپنے دفتروں میں نہ جائیں اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں۔ یہ آرڈر ایک ہفتے کے لیے تھا۔

میں نے کاسو بابا کو کہا۔

''تم بازار سے بہت سی انگلش لٹریچر کی بکس لے آؤ''۔

اس نے مجھے کہا۔

''اس وقت بازار جانا بہت مشکل ہے کیونکہ مدراس کے گلی کوچوں میں ہندو، سکھ آپس میں مورچہ بند ہو کر آپس میں لڑ رہے ہیں''۔ اس نے بازار جانے سے انکار کر دیا۔ اور بولا۔

''سر! وہ سامنے والے بنگلے میں ایک گورا صاحب مسٹر ہیرٹ آئے ہیں سنا ہے ان کی اپنی بہت بڑی کتابوں کی لائبریری ہے۔ آپ کہیں تو میں ان سے آپ کی مطلوبہ کتب لے آؤں؟''

میں نے اسے کہا۔ ''ہاں پوچھ لو۔ شاید وہ دیں یا نہ دیں''۔

کاسو بابا تھوڑی دیر بعد میرے پاس چند بہت اچھی میرے پڑھنے کے لائق کتب لے آیا۔ وہ کتابیں انتہائی پرانی اور اچھے رائٹرز کی لکھی ہوئی تھیں۔ لیکن ان کو اتنے قرینے سے سنبھال کر سنبھالنے والے نے رکھا ہوا تھا۔ کہ میرا دل خوش ہو گیا۔

شام کو کاسو بابا نے مجھے کہا۔

''سر! وہ سامنے والے مسٹر ہیرٹ صاحب آئے ہیں''۔

''اوہو...... اچھا......'' ان کی آمد سے میں دلی طور پر خوش نہ تھا۔ لیکن میں نے بے دلی سے کاسو بابا کو کہا۔

''میں تمہیں انہیں بھگانے یا ٹالنے کا اشارہ کروں تو تم مجھ سے وہی بات کرنا جو کہ میں تم سے کرتا ہوں''۔ میں بیٹھک میں گیا تو مسٹر ہیرٹ وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ایک بوڑھا اور شکل سے ہی خشک طبع لگ رہا تھا۔

''سوری...... میں نے آپ کی کسی لازمی مصروفیات میں مداخلت تو نہیں کی؟''

''جی نہیں۔ مداخلت کیسی...... آج کل تو ویسے بھی فسادات کی وجہ سے ہم لوگوں کو ذرا گھروں میں بیٹھنے کا موقع مل گیا ہے''۔

''اچھا تو آپ فارغ ہیں۔ اسی بہانے میں بھی دو چار گھنٹے آپ سے گپ شپ لگا لوں گا''۔ دو چار گھنٹے میں نے دل میں سوچا۔ میں نے مصنوعی خوش اخلاقی سے اسے مسکرا کر کہا۔

''جی ہاں...... ہاں کیوں نہیں...... میں بھی تقریباً فارغ ہوں''۔ ہیرٹ نے ابتدائی طور پر مجھے بتایا کہ۔

"وہ حکومت کی جانب سے مدراس شہر میں اس کی پرانی تاریخی عمارتوں اوراس کے اردگرد کی جگہوں کا بغور جائزہ لے کراس کے بارے میں یہ رپورٹ بنانے آیا ہے۔ کہ ان تاریخی عمارتوں اوران کے گرد جو خالی جگہوں کو کسی طرح عام عوام کے لیے تفریح گاہ بنانے آیا ہے۔ کہ ان تاریخی عمارتوں اوران کر گرد جو خالی جگہوں کو کس طرح عام عوام کے لیے تفریح گاہ بنائی جاسکتی ہیں"۔

میں نے اس سے پوچھا۔"اس سے حکومت کو کیا فائدہ ہوگا؟"

بیرٹ نے کہا۔"اسے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ نے یہ بات خفیہ طور پر بتائی ہے کہ مدراس کی ویران خالی تاریخی عمارتوں کو تفریح گاہ بنانے سے حکومت کو کئی مقاصد حاصل ہوں گے۔ برسوں پرانی تاریخی عمارتوں کی (RENUVATION) ہو جائے گی۔ کھنڈرات کے اندر جو نشئی وارداتی قسم کے لوگ بیٹھتے ہیں ان سے چھٹکارا مل جائے گا۔ حکومت کو ان عمارتوں، پارکوں پر لگائے گئے ٹیکسوں، ٹکٹوں کاروباری لوگوں سے وصول ٹیکسوں کی مد میں تقریباً سالانہ 30لاکھ روپیہ مل جائے گا"۔ نیز مسٹر بیرٹ مجھ سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا جن سے مجھے دور دور تک کوئی لگاؤ نہ تھا۔ میں نے اسے دوران گفتگو کہا کہ۔

"سر! کاسو بابا جو پرانی کتب آپ کے گھر سے لایا ہے اسے آپ نے بڑے قرینے سے سنبھال کر رکھا ہے"۔ بیرٹ نے اس کا جواب نحیف سا مسکرا کر دیتے ہوئے یہ کہا۔

"مجھے تو اصل میں کتب بینی کا اتنا وقت ہی نہیں ملتا ......ہاں کبھی کبھار کوئی اچھی کتاب مل جاتی ہے تو پڑھ لیتا ہوں۔ وہ دراصل میری بیٹی جو کہ اپر ہسٹری (UPPER P.H.D HISTORY) کے برابر ڈگری کر رہی ہے۔ یہ اس کی لائبریری کی کتابیں ہیں۔ وہی دور دراز کے کتب فروش، کباڑیوں کی دکانوں اور ادھر اُدھر سے اچھی کتابیں خرید کر لاتی ہے۔ وہ فارغ وقت میں ان کی نوک پلک ٹھیک کرتی رہتی ہے"۔ مسٹر بیرٹ کافی دیر میرے پاس بیٹھا میرا دماغ چاٹتا رہا۔ بالآخر مجھے اسے بھگانے کا وہی طریقہ استعمال کرنا پڑا۔ یعنی کاسو بابا کو کہا۔

"کاسو بابا! ذرا ایک کڑک چائے بنا کر تو لاؤ"۔

دوزور بعد کاسو بابا مجھ سے بیرٹ سے لائی گئی کچھ پرانی کتب واپس کر آیا تھا۔ اس کی جگہ دوسری کتب لے آیا۔ ان میں سے میں نے ایک کتاب کھولی تو اس کے اندر ایک برٹش یونیورسٹی کی لائبریری کا کارڈ اور اس کارڈ میں ایک انتہائی خوبصورت لڑکی کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس کارڈ کے نیچے لکھا تھا...... مس ٹامیڈل۔

مسز ٹامیڈل بیرٹ کی تصویر ایک تیر کی مانند میرے دل میں اتر گئی تھی۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں گھڑی کی چوتھائی میں اس سے ملوں...... میں بیرٹ کے گھر اس کارڈ کو لے کر گیا۔ بیرٹ نے مجھے اپنی بیٹھک میں بیٹھا کر مجھ سے اپنے روایتی انداز میں خشک بے معنی باتیں کیں۔ میں دلی طور پر چاہتا تھا کہ میں کسی طریقے سے اس کی بیٹی ٹامیڈل سے ملوں...... بیرٹ میرا اپنے مخصوص خشک موضوعات سے دماغ چاٹتا رہا۔ میں اسے بے دلی سے مسکرا کر YESNO کہتا رہا۔

میں نے بیرٹ سے پوچھا۔

"آپ کی فیملی میں اور کون کون ہے؟" اس نے جواباً کہا کہ۔

"میری بیٹی، میری بیوی اور میرا بیٹا گیٹس"۔

"سر! آپ سب اتوار کو میرے گھر ڈنر پر آئیں"۔

"نہیں تم اکیلے ہو تم کو ایسا کرنے میں پریشانی ہوگی۔ آپ ایسا کریں کہ آپ آئندہ اتوار کو میرے گھر ڈنر کریں"۔

میں نے بغیر کسی تردد کے اس دعوت کو قبول کر لیا۔

اس دن میں ٹامیڈل کا دیدار نہ کر پایا تھا۔ اتوار کے روز ڈنر میں اپنے تئیں بہت اچھی طرح خوب بن سنور کے مسٹر بیرٹ کے بنگلے میں گیا تھا۔ ڈنر کی میز پر مسٹر بیرٹ نے پہلے میرا تعارف اپنی فیملی سے کروایا۔ اس کے بیٹے گیٹس کے ساتھ بیٹھی اس کی بیٹی بڑی سنجیدگی سے ڈنر میں مصروف عمل تھی۔ سچ ہے وہ مجھے زیادہ اہمیت نہیں دے رہی تھی۔ نہ اس کی جانب سے کوئی ایسا موضوع آرہا تھا اور نہ ہی میری وہاں کوئی ہمت پڑ رہی تھی کہ میں اس سے کسی موضوع کو چھیڑ کر

اس سے باتوں کا سلسلہ شروع کرسکوں۔
"لگتا ہے اب تو شہر کے فسادی حالات بہتر ہو گئے ہیں۔ سنا ہے حکومت نے ہم برٹش لوگوں کو کہا ہے کہ وہ اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر FRIDAY سے آ جائیں"۔

"YES" میں نے ٹائیڈل کی جانب سے اپنا ذہن جھٹکتے ہوئے کہا۔

ٹائیڈل ایک مناسب چہرے والی لڑکی تھی وہ میرے دل کو بھا گئی تھی۔ بیرٹ کے سوا اس کی تمام فیملی خاموش طبع تھی۔ ڈنر سے واپسی پر میں ٹائیڈل کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے اس حقیقت کا بھی بخوبی ادراک تھا کہ مسٹر بیرٹ اور اس کی فیملی نے میری عزت تو کی تھی لیکن وہ مجھ سے زیادہ گھلی ملی نہ تھی۔

شہر میں امنڈنے والے فسادات پر حکومت نے قابو پالیا تھا۔ ہم برٹش لوگ پھر سے اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر جانے لگے تھے۔ ادھر بیرٹ بھی میرے بنگلے میں کم آتا تھا۔ جبکہ میری دلی خواہش تھی کہ میں کسی نہ کسی بہانے اس سے مل کر ٹائیڈل کو دیکھ پاؤں...... اسی دوران میں نے کئی بار کاسو بابا کے ذریعے ان کے بنگلے سے اپنے پڑھنے کے لیے کتب منگوائیں۔ جن کو میں نے پڑھے بغیر ہی واپس بھیج دیا تھا۔

ایک بار مجھے پتہ چلا کہ مسٹر بیرٹ دو ہفتے کے لیے محکمانہ کورس کے لیے سہارنپور گیا ہوا ہے۔ میں ایک ان ہمت کر کے اس کے بنگلے میں کچھ بکس لینے گیا۔ وہاں خوش قسمتی سے اس کی بیوی سے میرا سامنا ہوا۔ جس کے پیچھے ٹائیڈل کھڑی تھی۔ میں نے ٹائیڈل کو کہا۔

"مہربانی کر کے مجھے فلاں بکس دے دیں"۔
مسز بیرٹ نے مجھے کہا۔

"آپ بیٹھ جائیں"۔ وہ مجھے اپنی بیٹھک میں بیٹھا کر چلی گئی۔ جبکہ تھوڑے توقف کے بعد ٹائیڈل اپنے ہاتھ سے میری مطلوبہ بکس لے آئی۔ میں نے اسے کہا۔

"SORRY" میں نے آپ کو تکلیف دی"۔ اس نے خود ہی کہا۔

"نو پرابلم۔ آپ کو اگر اس بکس میں دلچسپی ہے"۔
اسے کیا پتہ تھا کہ مجھے تو اس میں دلچسپی ہے۔

"تو میرے پاس اس سے بھی اچھی موضوع پر کتب موجود ہیں۔ آپ لینا چاہیں گے؟"

"ہاں...... کیوں نہیں"۔

اس نے اپنے لبوں سے وہ لفظ بول دیا تھا جو کہ میں دل سے چاہتا تھا۔

"تو کیا میں آپ کے پاس اپنی پسندیدہ مطلوبہ کتب لینے آ جایا کروں؟"

"ہاں کیوں نہیں"۔

پھر میں تقریباً روزانہ حیلے بہانے سے اس سے ملنے جانے لگا۔

اسی دوران بیرٹ بھی اپنا محکمانہ کورس کر کے واپس آ گیا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ میں اس کی غیر موجودگی میں ٹائیڈل سے کتابیں لینے آتا رہا ہوں تو اس نے اس کا مائنڈ نہ کیا۔

میں نے اپنے مقصد کے حصول کو مزید بہت آسان بنانے کے لیے گیٹس کو بھی اپنی جانب مائل کرنا شروع کر دیا تھا۔ ٹائیڈل بھی مجھ سے ہلکے پھلکے انداز میں بے باکی، دوستانہ انداز میں گپ شپ مارنے لگی تھی۔

ایک دن باتوں ہی باتوں میں نے اس سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ ٹائیڈل نے مجھے کہا۔

"فائز! تم سے مجھے شادی کرنے میں کوئی عار نہیں ہے اور امید ہے کہ میرے ڈیڈی، ممی کو بھی نہیں ہوگا۔ لیکن میں یہ شادی اپنی اسٹڈی ختم کرنے کے بعد کروں گی"۔

"کب تک تمہاری اسٹڈی ختم ہوگی؟" میں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا۔

"یہی کوئی 2 سے 3 سال میں اگر تم انتظار کر لو"۔

میرے لبوں سے تفکرانہ انداز والی سیٹی نکلی۔ "یہ تو بہت بڑا عرصہ ہے"۔

"دیکھو! میں شادی کے جھنجھٹ میں پڑ کر اپنی PHD اسٹڈی کو عین موڑ پر ادھورا نہیں چھوڑ سکتی"۔

"اچھا اس کا میں ایک بہت خوبصورت حل نکالتا ہوں۔ اس سے نہ تو تمہاری جاری تعلیم میں کوئی حرج آئے گا اور ہماری شادی بھی ہو جائے گی"۔

"دیکھو! ہم شادی کرنے کے بعد ایک دوسرے سے صرف اتوار والے دن رجوع کیا کریں گے بقیہ 6 روز تم بے شک جہاں مرضی چاہوں اسٹڈی کرو"۔

"جاؤ اچھا میں تمہاری اس خواہش، تجویز کا ذکر اپنے ڈیڈی سے کروں گی"۔

شام کو مسٹر ہیرٹ اور اس کی وائف نے مجھے بنگلے میں خصوصی طور پر ڈنر پر بلایا۔ وہاں ٹائیذل بھی موجود تھی۔ ہیرٹ نے مجھ سے پوچھا۔

"تم واقعی ٹائیذل سے شادی کے معاملے میں سنجیدہ ہو؟" میں نے کہا۔

"جی ہاں"۔ مسٹر ہیرٹ نے مجھے کہا۔

"اگر تم ہماری بیٹی سے واقعی شادی کے معاملے میں سنجیدہ ہو تو اس کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ جب تک اس کی تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی وہ تم سے صرف اتوار کے دن رجوع کیا کرے گی اور باقی 6 روز وہ اپنی اسٹڈی جاری رکھے گی"۔ میں ٹائیذل کو حاصل کرنے کے لیے جنون محبت میں اس مضحکہ خیز شرط پر اس سے شادی کرنے پر راضی ہو گیا۔

ٹائیذل سے میری شادی ہو گئی وہ ایک محبت کرنے والی بیوی ضرور ثابت ہوئی لیکن اس کے ذہن میں پڑھائی کا اتنا جنون سوار تھا کہ وہ اپنا زیادہ تر وقت اپنے ساتھ لائی لاتعداد کتب کے ساتھ گزارتی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ میری نئی دلہن میرے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارے۔ لیکن میں اسے اس کی پڑھائی سے اس لیے ڈسٹرب نہ کرتا تھا کہ وہ میری جانب سے متنفر نہ ہو جائے۔ میں نے اس سے شادی سے پہلے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ صرف اتوار کو میرے پاس آئے گی۔ اس نے میرے بنگلے کے اوپری کمرے میں خصوصی طور پر اپنا اسٹڈی روم بنایا ہوا تھا۔ وہ وہاں تادیر پڑھتی رہتی تھی۔ وہ شاذ و نادر ہی چند لمحوں کے لیے میرے پاس نیچے آتی تھی۔ میں اس سے کہتا تھا کہ۔

"میں اپنی شادی کو بڑا مضحکہ خیز اور باعث اذیت تصور سمجھتا ہوں"۔ ٹائیذل مجھے کہتی۔

"میں نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں آپ سے اس شرط پر شادی کروں گی کہ میں نے پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے پڑھنا ہے اور آپ میری اسٹڈی میں مداخلت نہیں کریں گے۔ آپ فکر نہ کریں میں اپنے امتحان دینے کے بعد ہمیشہ کے لیے آپ کے پاس رہوں گی"۔ اس نے یہ الفاظ میرے گالوں پر مسکرا کر محبت بھری چٹکی کاٹ کر کہے تھے۔

ایک رات حسب معمول ٹائیذل بنگلے کے اوپری کمرے میں اسٹڈی کر رہی تھی۔ میں اس کی جانب سے صبر کیے اپنے بیڈ پر سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک کاسو بابا بڑے سہمے ہوئے انداز میں میرے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ اس سے پہلے کبھی اس انداز میں میرے سامنے ڈرا، سہا ہوا نہیں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس سے تجسس کے عالم میں پوچھا کہ۔

"کاسو بابا! خیریت تو ہے؟ آپ ایسے کیوں کھڑے ہیں"۔ وہ میرے اس بات پر رونے لگا۔ میں سمجھا کہ اس کا کوئی قریبی عزیز فوت ہو گیا ہے۔ میں نے اس سے کہا۔

"کاسو بابا! خیر تو ہے مجھے بھی تو کچھ بتائیں؟" وہ بسورتی، سہمی حالت میں اپنا سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ میں نے اسے کہا۔

"آپ! کرسی پر آرام سے بیٹھیں"۔ میں نے اس کے ہاتھوں میں پانی کا گلاس دے کر پوچھا۔

"اپنے اعصاب قابو میں رکھ کر مجھے بتاؤ کہ تمہاری ایسی کیفیت کیوں ہو رہی ہے؟" اس نے کہا۔

"مسٹر فائز! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں وہ بات کیسے بتاؤں......؟ جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی ہے"۔ میں نے اس سے ششدر ہو کر پوچھا۔

"کون سی بات......؟"

اس نے کہا۔ "سر! میں جو بات آپ کو بتانے والا ہوں آپ نہ جانے کیسے میری اس بات کا یقین کریں گے......" وہ ایک لمحے کے لیے رک گیا۔

"ہاں میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں تمہارے لبوں سے نکلی ہوئی باتوں پر یقین کروں گا۔ کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ تم جھوٹ نہیں بولتے"۔ کاسو بابا لپک کر میرے قریب آیا۔